© rasailojaraid.com

ایک دھکے کی ضرورت

سیف اللہ خالد

شہر بھر میں بینر لگے ہیں کہ ڈرائیونگ کرتے ہوئے فون سننا جرم ہے۔ پانچ سو روپے جرمانے کا ڈراوا بھی ہے مگر جب جیب میں مسلسل گھنٹی بجنے لگے تو ہاتھ اضطراری طور پر جیب میں جاتا ہے اور جرمانہ وغیرہ یاد نہیں رہتا۔ ایک اخبار نویس ویسے ہی خود کو ان جرمانوں اور سزاؤں سے ماورا سمجھتا ہے۔ گو کہ گزشتہ ڈیڑھ ماہ میں اس کی جوتھکائی مختلف شہروں میں ہو چکی ہے، اسے اس سے سبق سیکھنا چاہیے مگر برسوں کی پختہ عادتیں اتنی جلدی کہاں جاتی ہیں۔ لاہور کے فیروز پور روڈ پر موٹر سائیکل چلاتے ہوئے گھنٹی کی آواز پر فون کان سے لگایا تو کراچی سے ایک مخلص دوست تھے، بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ شور کی آواز سن کر تیزی سے بولے: ''اچھا بعد میں بات کرتا ہوں۔''

کوئی ایک گھنٹہ بعد دفتر میں ان کی کال آئی تو معمول سے ہٹ کر میرے بجائے ٹیلی فون کا حال احوال پوچھنے لگے اور معذرت کی کہ ''یار سوری مجھے اس وقت فون نہیں کرنا چاہیے تھا'' مگر کیوں؟ اس سے فرق کیا پڑتا ہے؟ تو فرمانے لگے ''کیا کہہ رہے ہو، کراچی میں تو ایسا سوچنا بھی حماقت سمجھا جاتا ہے، فون سننا اتنا اہم کہاں سے ہو گیا کہ بندہ جان پر کھیل جائے۔ میری مانو تو سفر میں سائلنٹ یا بند رکھا کرو'' مگر کیوں؟ ''جان کا خطرہ ہے''۔ بات تھوڑی دیر میں سمجھ آئی کہ کراچی کے دوست کس عذاب میں زندگی گزار رہے ہیں۔ مگر دوستوں کا کہنا تھا کہ نہیں یار اب عادی ہو گئے ہیں۔ حیرت تو اس وقت ہوئی جب تم لاہور میں سڑک پر چلتے ہوئے اشارے پر رکے ہوئے بھی فون سن لیتے ہو۔ کراچی میں تو ایسا ممکن ہی نہیں۔ فون کے ساتھ جان بھی جاتی ہے۔

مجھے عید سے قبل کا ایک مکالمہ یاد آ گیا۔ خوشگوار موڈ میں پروفیشنل ڈسکشن چل رہی تھی۔ جب جناب ایڈیٹر نے سوال اٹھایا کہ الیکشن کی آمد آمد ہے۔ لاہور میں گاڑی چوری کی وارداتوں میں کتنا اضافہ ہوا؟ جواب تھا کہ جناب ایسا کچھ نہیں ہوا۔ ماضی میں بھی کبھی نہیں ہوا۔ حیرت سے گویا ہوئے: اچھا بھئی اِدھر تو ہوتا ہے۔ چلیں۔ بکرا منڈی کے ایشو پر کچھ لکھیں تو بکرا چوری، بھتہ خوری وغیرہ پر نظر ڈال لیجیے گا۔ عرض کیا کہ یہ لاہور ہے، یہاں قربانی کے بکرے چوری نہیں ہوتے اور نہ ہی بھتہ وغیرہ لیا جاتا ہے۔ بلکہ اس برس تو ضلعی حکومت نے قربانی کے جانوروں پر ٹیکس بھی معاف کر دیا ہے۔ پھر انھیں حیرت ہوئی کہ واقعی؟ بولے اچھا چلو قربانی کی کھالوں کے لیے مخاصمت پر نظر رکھیں۔ عوام کی آگاہی کے لیے رپورٹ بنالی جائے۔ اس پر بھی وہی جواب دینا پڑا کہ جناب یہاں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ لوگ اپنی مرضی سے کھال دیتے ہیں۔ البتہ اتنا ضرور ہوتا ہے کہ کھالیں اکٹھی کرنے کے بعد پریس ریلیزیں دوڑتی ہیں اور دعوے ہانکے جاتے ہیں: ''ہم نے سب سے زیادہ کھالیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکٹھی کیں''۔ دوسرا کہتا ہے نہیں ہم نے کیں۔ بلکہ اب تو یہ کھیل بھی نہیں رہا کہ ایک پہنچے ہوئے حضرت کے متعلقین پورے ملک میں قربان ہونے والے جانوروں کا حساب لگا کر اسے ۱۰ سے ضرب دیتے ہیں پھر بھی تسلی نہ ہوتو ایک دو صفر بڑھا کر اعلان کر دیتے ہیں۔ اتنے لوگوں نے ہمیں کھالیں دیں۔ اب بولے کوئی؟ اس سے بڑھے گا تو خود ہی شرمسار ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ دوڑ بھی ختم ہو چکی۔ اس پر ایک میٹھے قہقہے کے ساتھ جواب آیا: ''آپ لوگ بور نہیں ہو جاتے اس ماحول سے۔ جہاں کچھ ہوتا ہی نہیں، بکروں پر ٹیکس تک نہیں لگتا، کھالیں بھی نہیں چھینی جاتیں۔ کیا بے رونق زندگی ہے۔ آپ لوگوں کی ''مذاق'' میں کہے گئے ان جملوں میں چھپی ان کی حسرت کو محسوس ہی کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا جوابی خوشگوار قہقہے سے بات ختم کر دی۔''

سوال یہ ہے کہ کیا واقعی اتنا ہی فرق ہے لاہور اور کراچی میں۔ تو حقیقت یہ ہے کہ واقعی اتنا ہی فرق ہے۔ اہل لاہور کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ کراچی اس قدر پریشان ہے۔ مگر گزشتہ برس انھوں نے اسٹریٹ کرائم کی ایک جھلک دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ اہل کراچی کس عذاب میں ہیں۔ جب ایک سیاسی شخصیت نے لاہور میں قدم رکھے تو اسٹریٹ کرائم یوں بڑھا جیسے ریموٹ سے ٹی وی کا والیم بڑھا دیا جاتا ہے۔ مگر خیر رہی کہ ایک طرف حکومت متحرک ہوئی، دوسری طرف عوامی ردّ عمل نے اس مکروہ جرم کو محدود کر دیا اور ثابت ہو گیا کہ جب عوام مجرموں سے سختی سے نمٹنے لگیں تو حالات جلد ہی کنٹرول میں آ جایا کرتے ہیں۔

مگر مسئلہ یہ ہے کہ کراچی میں اکثریت پڑھے لکھے باشعور بلکہ مہذب لوگوں کی ہے۔ ان کو جرم سے ڈرانا بھی آسان ہے۔ لہٰذا مجرموں نے اپنے قدم جما لیے۔ لاہور میں انھیں مختلف ماحول ملا کہ خواتین تک نے انھیں بھرے بازاروں میں پکڑ کر جوتے مارے جس سے بے چاروں کا حال برا ہو گیا۔ سو یوں لاہور چوہوں کے اس مرض سے محفوظ رہا۔ اسٹریٹ کرائم چوہوں کا مرض ہی تو ہے، اور کیا۔

عید سے ایک روز قبل تقریباً ایک بجے کے قریب اقبال ٹاؤن میں عارضی بکرا منڈی میں سکون سے سوئے جانوروں اور ان کے پاس چارپائیوں پر اور بعض جگہ زمین پر لحاف اوڑھ کر محض دو نہتے چوکیداروں کے بھروسے پر یارب کے آسرے پر آرام سے سوئے بیوپاریوں کو دیکھ کر کراچی بہت یاد آیا۔ میرے دیس کی اقتصادی شہ رگ، میرے وجود کا سب سے قیمتی حصہ۔ نیچے بیوپاری سو رہے تھے اور اوپر کھمبے سے ایک خاتون امیدوار کا انتخابی بینر لگا تھا جس پر کراچی کی ایک معروف سیاسی شخصیت کی لاہور آمد کی نوید تھی۔ بے ساختہ ذہن میں سوچ کی ایک لہر اٹھی۔ جو دعا بن گئی کہ یا اللہ! ان بیوپاریوں کو اسی طرح سکون کی نیند عطا فرما، ہمیں کسی سیاسی شناخت کے آنے جانے سے کوئی غرض نہیں مگر سیاسی آلائشوں سے ڈر لگتا ہے۔ وہ تھوڑا سا سکون جو دستیاب ہے اس کے چرائے جانے سے ڈر لگتا ہے۔

کراچی کے بھائیوں کی زندگی کا خوف، معاشرے کی بدامنی کا پیغام اہل لاہور نے محسوس کر لیا ہے۔ جس وائرس نے کراچی کے امن کو نگلا' اس کے لیے لاہور میں کوئی جگہ نہیں۔ بلکہ اب تو اہل کراچی سے بھی توقع ہے۔ ذرا ہمت کریں، گرتی ہوئی دیواروں کو محض ایک دھکے کی ضرورت ہے۔

© rasailojaraid.com